طوطیٔ ہند حضرت امیر خسروؒ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر

از

(جناب مولانا محمد اشرف حسین ام - اے - محکمہ آثار قدیمہ ہند - دہلی)

(۲)

جان ز تن بُردی، و در جانی ہنوز | دردہا دادی، و درمانی ہنوز
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ | نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
ملکِ دل کردی خراب از تیغِ ناز | واندریں ویرانہ سلطانی ہنوز
پیری و شاہد پرستی ناخوش است | خسروا تا کے پریشانی ہنوز

اگرچہ اکثر نامور شعراء کی قدر دانی ان کی زندگی میں کماحقہٗ نہیں ہوئی، لیکن یہ ایک خاص بات ہے کہ حضرت امیر خسروؒ کی قدر دانی سلطان غیاث الدین بلبن سے لے کر سلطان محمد شاہ تغلق تک (یعنی ۶۶۴ھ سے ۷۲۵ھ تک)، تمام سلاطین و امراء کرتے رہے اور بڑے بڑے تحائف و انعامات سے نوازتے رہے - آپ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بالطبع سلاطین و امراء کی جھوٹی تعریف لکھنی پسند نہ فرماتے تھے بلکہ اکثر ان کو اخلاقی و انتظامی تعلیم شیخ سعدیؒ کی طرح دیا کرتے تھے وہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی چاروں زبانوں کے فاضل اور نظم و نثر میں یکساں کمال رکھتے تھے - صرف منظوم کتابیں ان کی ننانوے ۹۹ بیان کی جاتی ہیں اور اشعار کی تعداد (علاوہ کلام ہندی کے) چار اور پانچ لاکھ کے درمیان بتائی جاتی ہے، ممکن ہے کہ اس میں کچھ مبالغہ ہو، لیکن صاحب تذکرہ آتش کدہ کہتے ہیں کہ خسرو کے ایک لاکھ اشعار تو خود میری نظر سے گذرے ہیں - ضیاء الدین برنی (صاحب تاریخ فیروز شاہی) لکھتے ہیں کہ نظم و نثر میں گویا انھوں نے ایک کتب خانہ تصنیف کر دیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ خسروؒ نے

وہ وہ معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں کہ سبعہ معلقہ و سواطع الالہام کی طرح ان کا جواب نہ نکل سکا، مگر افسوس کہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں یہ قابلِ ناز علمی خزانہ قریب برباد ہو گیا۔ جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُس پر قدرے بسیط تبصرہ کافی موجبِ دلچسپی ہوتا، لیکن بحث طویل ہے اور وقت قلیل، اس لئے اس وقت صرف ان کے نام ہی گنوانے پر اکتفار کی جاتی ہے۔

مثنوی قران السعدین۔ مثنوی مطلع الانوار۔ مثنوی شیریں خسرو۔ مثنوی لیلےٰ مجنوں۔ مثنوی آئینہ اسکندری یا سکندر نامہ۔ مثنوی ہشت بہشت۔ مثنوی خضر نامہ یا خضر خاں و دول رانی۔ مثنوی نُہ سپہر۔ مثنوی تغلق نامہ۔ خزائن الفتوح یا تاریخ علائی۔ انشائے خسرو یا خیالات خسرو۔ رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی۔ افضل الفوائد راحت المحبین[۱۴]۔ خالق باری (اس میں کچھ اختلاف ہے)۔ جواہر البحر۔ ان کے علاوہ پانچ دیوان ہیں۔ دیوان[۱۸] تحفۃ الصغر (یعنی وہ تصنیفات جو امیر خسروؒ نے ۱۶ برس سے ۱۹ برس تک کی عمر میں کیں)۔ دیوان[۱۸] وسط الحیات (یعنی وہ تصنیفات جو انھوں نے بیس[۲۰] برس کی عمر سے چونتیس برس تک کیں)۔ دیوان[۱۹] غرۃ الکمال (یہ خسرو کا تیسرا اور سب سے بڑا دیوان ہے) دیوان بقیہ نقیہ (یعنی وہ دیوان جس میں خسروؒ کی تصنیفات ۵۰ برس سے ۶۴ برس تک کی عمر کی ہیں)۔ نہایۃ[۲۱] الکمال (یہ آخری دیوان ہے)

ان سب پر مستزاد یہ ہے کہ تذکرۂ عرفات میں اوحدی کا بیان ہے کہ امیر خسروؒ کا جتنا کلام فارسی میں ہے تقریباً اتنا ہی برج بھاشا میں ہے،

مگر افسوس کہ اُس گنجِ شایگاں کا آج کہیں نشان تک نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ اتنی سی عمر میں انھوں نے کس طرح اتنی تصنیفات کیں جب کہ وہ ملازمت پیشہ تھے اور مصروفیتیں بہت تھیں جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں

؎ باشم زبرائے نفس خود رای	پیش چو خودے ستادہ برپای
تا خوں نرود زپائے تا سر	دستم نشود ز آب کس تر

ان باتوں کے پیش نظر یہ کہنا پڑتا ہے کہ صانعِ حقیقی کی قدرت کے وہ ایک خاص شاہکار تھے۔

اُردو بولنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ ہماری زبان اردو کی ماں برج بھاشا ہے جو ہندوستان میں اسلام آنے سے پہلے شمالی ہند میں بولی جاتی تھی۔ جو مسلمان ہندوستان میں آئے وہ فارسی بولتے تھے جس میں عربی و ترکی الفاظ بکثرت موجود تھے۔ ہر وقت ایک جگہ رہنے سہنے اور ملنے جلنے سے ایک تیسری زبان پیدا ہو گئی۔ امیر خسرو کی اختراع پسند طبیعت نے اس میں بہت کچھ جوہر دکھائے یعنی برج بھاشا کی زمین میں فارسی کا بیج بویا پہلے وہ ہندی بنی، پھر ریختہ کہلائی، اور آخر کار اُردو کے نام سے مشہور ہوئی۔ امیر خسرو کی پہیلیاں، مکرنیاں، انمل، دو سخنے، وغیرہ وہ یادگاریں ہیں جو کبھی مٹ نہیں سکتیں۔

چونکہ امیر خسروؒ حتی الوسع کسی کو آزردہ نہ کرتے تھے اس لئے فرمائش پر وہ پہیلیاں انمل وغیرہ بھی نظم کر دیتے تھے جو آج تک لوگوں کی زبان پر ہیں۔ اگرچہ فن شاعری کے لحاظ سے یہ بلند مرتبہ چیزیں نہیں ہیں لیکن ان سے مصنف کی جدت پسندی و خوش مذاقی کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ان کی ایک مشہور پہیلی ہے۔

"چار مہینے بہت چلی اور آٹھ مہینے تھوری میر خسرو یوں کہیں تو بوجھ پہیلی موری"

اس پہیلی کا آخری لفظ "موری" ہے جو ذو معنین ہے یعنی ہندی زبان میں "میری" کو "موری" بولتے ہیں اور "موری" "پانی نکلنے کی نالی" کو بھی کہتے ہیں جو کہ اس پہیلی کا صحیح حل ہے۔

اُن کی انمل نویسی کی بھی ایک مثال لے لیجئے۔ ایک مرتبہ کا مشہور واقعہ ہے کہ چار عورتیں ایک کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ امیر خسرو ادھر سے گذرے پیاس لگ رہی تھی پانی طلب کیا۔ چوں کہ ہر دل عزیز تھے اور سب آپ کے کمالات شاعری کے معترف تھے اس لئے ان عورتوں نے بھی کہا کہ ہم لوگ اس وقت اپنے آج کے واقعات کا ذکر کر رہے تھے

ان کو نظم کردیجئے اُس وقت ہم پانی پلائیں گے۔ چنانچہ پہلی عورت نے کہا کہ آج میں نے نہایت لذیذ کھیر پکائی ہے اور ایندھن جب کم پڑگیا تو اس دوسری عورت نے اپنا پرانا ٹوٹا ہوا چرخہ مجھے دے دیا کہ اس کا ایندھن بناؤ۔ جب کھیر پک چکی تو تیسری عورت جو ڈھول بجا رہی تھی ہم دونوں اس کے پاس تھوڑی دیر کے لئے جا بیٹھے اور اس درمیان میں ایک کتّا آگیا اور کھیر کھا گیا۔ فی البدیہہ امیر خسرو نے ان بے ربط باتوں کو ایک شعر میں نظم کردیا جو حسب ذیل ہے:

کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا آیا کتا کھا گیا، تو بیٹھی ڈھول بجا۔ لا پانی پلا

علاوہ ان تاریخی و ادبی خدمات کے جو امیر خسرو نے اپنی تصانیف سے انجام دیں، فن موسیقی پر بھی اُن کا بڑا احسان ہے۔ بڑے بڑے صاحبِ کمال گویّے ان کی شاگردی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ صاحب مطلع العلوم تحریر کرتے ہیں کہ اُس زمانے کے مشہور ترین گویّے مثلاً جگت اُستاد نائک گوپال اور حسبی ساونت نے جن کے ہزاروں شاگرد تھے آپ ہی سے استفادہ حاصل کیا تھا۔ دربارِ شاہجہانی کا مورخ ملا عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں ۷۰۸ھ کے واقعات میں رقمطراز ہے کہ امیر خسرو نے فن موسیقی میں ایجاد و اختراع کی۔ چار خاص نئے راگ ایجاد کئے اول قانون۔ دوم فارسی۔ سوم ترانہ۔ چہارم تصانیفی جن میں خیال وغیرہ شامل ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ امیر ہندی اور فارسی دونوں راگوں سے بخوبی واقف تھے۔

صوفیانہ طریقہ سماع میں بہت سی نئی باتیں اور قاعدے ایجاد کر کے اُس کو "قوالی" کے نام سے موسوم کیا۔ سفینۃ الاولیاء، سبع سنابل، اور تذکرہ اولیائے ہند میں لکھا ہے کہ اسی بنا پر حضرت محبوب الٰہی حضرت امیر خسرو کو "مفتاح السماع" کے خطاب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ مطلع العلوم و آب حیات میں مذکور ہے کہ "بہاؤ راگ" اور ستار کی ایجاد کا فخر حضرت امیر خسرو ہی کو حاصل ہے۔

چونکہ مضمون طویل ہوتا جارہا ہے اس لئے سردست امیر خسرو کی شاعری پر مزید

روشنی ڈالنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ انشاء اللہ اس موضوع پر پھر کبھی تفصیل کے ساتھ قلم اٹھایا جائے گا۔

امیر خسرو کے کلام کی خصوصیات پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ مولانا جامی، میر غلام علی آزاد بلگرامی، ضیاء الدین برنی، شاہ زادہ دارا شکوہ، کاتبی نیشاپوری، دولت شاہ، مولانا شبلی نعمانی وغیرہم نے کافی شرح و بسط سے دادِ نقادی دی ہے لیکن پھر بھی یہ بحث تشنہ رہ گیا ہے مختصراً یہ بلا حرف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں پہلے سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا بلکہ سچ پوچھئے تو اس قدر گوناگوں اوصاف کے جامع، ایران و روم کی مردم خیز خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو چار ہی پیدا کئے ہوں گے صرف ایک شاعری کو لیجئے تو ان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے فردوسی، سعدی، انوری، حافظ، عرفی، نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے نامور تاجدار گزرے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے حدودِ حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں جاتے فردوسی رزمیہ مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، خاقانی و انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتے، حافظ، عرفی، نظیری غزل کے دائرہ سے باہر کامیابی کے ساتھ قدم نہیں نکال سکتے۔ لیکن اس خسرو اقلیم سخن کی جہانگیری میں تمام اصنافِ شاعری مثلاً غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی سب کچھ داخل ہے جس صنف پر قلم اٹھایا کمال کر دکھایا اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین، مستزاد، اور صنائع و بدائع کا تو گننا بھی مشکل ہے۔ تعداد کے لحاظ سے دیکھئے تو اس خصوصیت میں کوئی ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔

ان مختلف الحیثیات مشغلوں کے ساتھ فقر و تصوف کا یہ عالم تھا کہ گویا عالمِ قدس کے علاوہ دنیائے فانی کی طرف انھوں نے نظر اٹھا کر بھی کبھی نہیں دیکھا۔ ریاضاتِ شاقہ کی یہ کیفیت تھی صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ چالیس سال تک آپ برابر صائم الدہر رہے اور مستند کتب تواریخ و سیر ہم زبان ہیں کہ آپ کا معمول رہا کہ ہر شب کو ایک کلام مجید

ختم کیا کرتے تھے اور نماز تہجد میں سات پارے پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امیر خسرو کے اخلاق وآداب کے متعلق آپ کے سوانح نویس بالاتفاق لکھتے ہیں کہ آپ بہت خوش مزاج، خوش اخلاق، خدا سے ڈرنے والے، اور غریبوں اور کمزوروں کی مدد کرنے والے تھے۔ آپ کا مقولہ تھا "ہر کہ خود را ببیند، خدائے را نہ بیند، و ہر کہ از خدا نترسد، ازو باید ترسید (یعنی جو اپنے آپ کو دیکھتا ہے خدا کو نہیں دیکھ پاتا، اور جو خدا سے نہیں ڈرتا اس سے ڈرنا چاہیئے) کسی کی دل شکنی کو گناہِ عظیم سمجھتے تھے اور اہلِ علم کی بہت عزت کرتے تھے باوجودیکہ سلاطین وامراء کے مصاحب قریب رہے، اپنے کو ہمیشہ کمترین مخلوقات سمجھتے رہے ان میں تعصب نام کو بھی نہ تھا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے محبت کے ساتھ ملتے جلتے تھے اور ان کے آڑے وقت میں کام آتے تھے۔ اگرچہ بالطبع آپ تعصب کو بُرا سمجھتے تھے لیکن اس خیال کو استوار کرنے والا اور اس حسن کو جلا دینے والا ان کے مُرشد کی صحبت کا فیضان تھا اس لئے کہ حضرت محبوب الٰہی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند

آپ سلاطین وامراء کی بے جا تعریف کرنے سے بالطبع متنفر تھے اور جو رقم قصیدہ گوئی سے ملتی تھی وہ سب محتاجوں پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اپنے صرف میں صرف وہ رقم لاتے تھے جو خود کسب و محنت سے حاصل کرتے تھے۔ یہی وہ صفاتِ حسنہ ہیں جو خداوندِ عالم کی نظر میں ایسی مقبول ہوئیں کہ آج بھی ان کا مزار مرجعِ عوام بنا ہوا ہے۔

کاش خداوندِ عالم ہم کو بھی یہ توفیق عطا فرمائیں کہ ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر خود پسندی، خود غرضی، ناخدا ترسی، بداخلاقی، فرقہ وارانہ تعصب، وغیرہ سے اپنے دامن کو پاک رکھیں اور اس طرح اپنے ملک ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے بہترین نمونہ انسانیت اور موجبِ رحمت بن جائیں۔